احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے

روزنامہ الفضل ربوہ
فون ۴۴۹
رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۵۴
ایڈیٹر: نسیم سیفی
جلد ۴۴-۷۹ نمبر ۲۴۴ منگل ۔۲۶۔ جمادی الاول ۔۱۴۱۵ھ ' یکم نبوت ۷۳ ۱۳ ھش ' یکم نومبر ۱۹۹۴ء

دعا کے لوازم میں سے ہے کہ دل پگھل جاوے

خدا تعالیٰ کسی دعا کو نہیں سنتا جب تک دعا کرنے والا موت تک نہ پہنچ جاوے (-) دعا کے لوازم میں سے یہ ہے کہ دل پگھل جاوے اور روح پانی کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرے اور ایک کرب اور اضطراب اس میں پیدا ہو اور ساتھ ہی انسان بے صبر اور جلد باز نہ ہو بلکہ صبر اور استقامت کے ساتھ دعا میں لگا رہے پھر توقع کی جاتی ہے کہ وہ دعا مقبول ہو گی۔

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ارشادات حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ

مرد اپنے گھر کا امام ہوتا ہے پس اگر وہی بد اثر قائم کرتا ہے تو کس قدر بد اثر پڑنے کی امید ہے۔ مرد کو چاہئے کہ اپنے قویٰ کو بر محل اور حلال موقعہ پر استعمال کرے مثلاً ایک قوت غضبی ہے جب وہ اعتدال سے زیادہ ہو تو جنون کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جنون میں اور اس میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ جو آدمی شدید الغضب ہوتا ہے اس سے حکمت کا چشمہ چھین لیا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کوئی مخالف ہو تو اس سے بھی مغلوب الغضب ہو کر گفتگو نہ کرے۔

مرد کی ان تمام باتوں اور اوصاف کو عورت دیکھتی ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ میرے خاوند میں فلاں فلاں اوصاف تقویٰ کے ہیں۔ جیسے سخاوت۔ حلم۔ صبر اور جیسے اسے پرکھنے کا موقعہ ملتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔

(ملفوظات جلد سوم ص ۱۵۷)

تقریب نکاح و شادی

مکرم مولانا عطاء الکریم شاہد صاحب لکھتے ہیں۔

○ حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع نے ۲۲۔ مئی ۹۴ء کو بیت الفضل لندن میں عزیزم مکرم عطاء الاعلیٰ صاحب ظفر مقیم کینیڈا ابن خاکسار عطاء الکریم شاہد مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ ربوہ کے نکاح کا اعلان عزیزہ مکرمہ عطیہ ساجدہ صاحبہ بنت برادرم مولانا عطاء المجیب صاحب راشد امام بیت الفضل لندن سے مبلغ دس ہزار کینیڈین ڈالرز حق مہر پر کرتے ہوئے اپنے انگریزی خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

"دونوں گھرانے ایک عظیم الشان شجر یعنی حضرت مولوی ابو العطاء صاحب جالندھری کی شاخیں ہیں کیونکہ دلہن اور دلہا حضرت مولوی ابو العطاء صاحب کی پوتی اور پوتا ہیں۔ پس ہم اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نہ صرف عالی نسب خون دلہن اور دلہا کی رگوں میں دوڑ رہا ہے بلکہ فریقین کو ذاتی طور پر جانتے ہوئے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہر دو نے اپنے آباواجداد کی احمدیت میں شاندار روایات کے ساتھ پیروی کی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اپنے کردار میں مثالی ہیں خواہ ان کا قیام کسی بھی جگہ کیوں نہ ہو۔ پس (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) کہ ہم شرافت کو نسلاً "بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ آنے والی نسلیں اسی انداز اور انہی شریفانہ روایات کے ساتھ ان نقوش قدم کی پیروی کریں گی یعنی اپنے آباواجداد کی نیکی کی وارث بن کر اور اسے محفوظ رکھتے ہوئے آئندہ آنے والی نسلوں کو منتقل کرتی چلی جائیں گی۔ آیئے ہم نکاح کے باقاعدہ اعلان کے بعد دعا میں شریک ہوں۔ نیکیوں کو قائم رکھنے کے بارہ میں اس موثر خطاب کے بعد حضرت صاحب نے نکاح کے بابرکت ہونے کے لئے دعا کرائی۔

بعد ازاں ۱۸۔ اور ۲۰ جولائی ۹۴ء کو بیت الفضل لندن میں تقاریب رخصتانہ اور ولیمہ منعقد ہوئیں جن میں حضرت صاحب نے از راہ کمال شفقت شرکت فرما کر خصوصی برکت بخشی اور ہر دو مواقع پر پرسوز دعا کرائی جس میں انگلستان اور پاکستان سے عزیزان' احباب اور خواتین شریک ہوئیں۔ جملہ احباب جماعت سے اس رشتہ کے ہر جہت سے بابرکت اور مثمر بثمرات حسنہ ہونے کے لئے درخواست دعا ہے۔

قناعت اور شکر کرنے والوں پر غیر معمولی برکتوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں

(حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع)

قناعت سے باہر نکلنا ناشکری کو دعوت دینا ہے یعنی ناشکری کے ابتلاؤں میں پڑنے والی بات ہے۔ اللہ کسی اعلیٰ خلق والے انسان کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ ناشکری میں مبتلا نہ ہو۔ اور جائز ضرورت کے قرض عدم قناعت کی وجہ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق جدو جہد کی خاطر لے تو پھر یہ جائز ہے۔ لیکن قناعت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے قرضے نہ لے کہ وہ ڈوبیں تو ان کو پھر کسی صورت ادا نہ کر سکے یہ قناعت کا دوسرا پہلو ہے جسے آپ کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ اگر ایک شخص کے پاس اتنی سی جائیداد ہے کہ وہ ساری بھی بیچ دے تو قرض خواہ کا قرضہ ادا نہ کر سکے اس سے باہر جب وہ قرض کی چھلانگ لگاتا ہے تو وہ قناعت سے باہر نکل گیا۔ اس کو پتہ ہے کہ میں اس کو ادا کرنے کی توفیق ہی نہیں رکھتا۔ اور اسے علم ہے کہ دنیا کی تجارتوں میں ایسے خطرے ہوتے ہیں کہ جو کچھ سرمایہ ہے سب ڈوب جائے۔

پس قناعت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر قرض لو۔ کسی سے کچھ مانگو اس یقین دہانی کے ساتھ کہ تم اسے واپس کرو گے یا شکریہ کے ساتھ جو تمہارے پاس منافع آئے گا۔ اس میں بھی حصہ دو گے تو ایسی صورت میں اپنی قناعت کے دائرے سے باہر قدم رکھنا جائز نہیں۔ اور قناعت کے دائرے بڑھتے ہیں۔ جو شخص قانع ہو اس کے متعلق فرمایا وہ شخص شکر گزار ہے۔

اب اس کا دوسرا پہلو بھی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں بڑھاؤں گا (-) تو ایک اور گر ہمارے ہاتھ آیا۔ کہ قناعت کا یہ مطلب نہیں کہ منہ بسور کر کسی محدود دائرے میں بیٹھے رہو۔ اور ساری عمر وہیں قید رہو۔ قناعت کو شکر سے باندھ کر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے لامتناہی احسانات کے دروازے کھول دیئے اتنا عظیم الشان مضمون ہے جس میں ڈوب کر انسان زندگی کے فلسفے کو پا لیتا ہے۔ اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ کر اگر آپ ان لوگوں کے حالات پر نظر ڈالیں جو قانع تھے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ خدا نے پھر ان کے اموال میں اتنی برکت دی کہ بہت تھوڑے میں غیر معمولی برکتیں پڑیں اور جو کچھ انہوں نے حاصل کیا انسان کو یقین نہیں آسکتا کہ اتنے تھوڑے مال میں اتنی بڑی برکتیں پڑ سکتیں ہیں اور پھر ان کو بھی زیادہ دیا گیا ان کی اولادوں کو بھی زیادہ دیا

باقی صفحہ ۷ پر

بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں

(حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روزنامہ
الفضل
ربوہ

پبلشر: آغا سیف اللہ۔ پرنٹر: قاضی منیر احمد
مطبع: ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ
مقام اشاعت: دارالنصر غربی۔ ربوہ

قیمت
دو روپیہ

یکم۔ نبوت۔ ۱۳۷۳ ہش　　یکم۔ نومبر ۱۹۹۴ء

دعاؤں سے عملی طاقت میں اضافہ

فارسی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ صرف سن لینا دیکھنے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جب انسان کسی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے تو اسے یقین آجاتا ہے کہ وہ واقعی موجود ہے اور اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کیسی ہے۔ سننے سے یہ تو ہو سکتا ہے کہ علم ہو جائے کہ وہ چیز موجود ہے اور کیسی ہے لیکن اس پر یقین نہیں پیدا ہو سکتا۔ یقین پیدا کرنے کے لئے لازمی بات ہے کہ انسان خود کسی چیز کو دیکھے۔

جہاں تک خدا تعالیٰ اور خدا تعالیٰ کی صفات کا تعلق ہے اور خاص طور پر ایسی صفات جن سے اس کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے ان کا سن کر انسان ایمان تو لے آتا ہے اور ہمارا بہت سا ایمان سنی ہوئی باتوں پر ہی منحصر ہوتا ہے لیکن ان پر یقین اسی صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ انسان خود تجربہ کرے۔ یہ وہ بات ہے جو دعا سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر انسان دعا کرتا رہے اور اس کی کوئی دعا بھی قبول نہ ہو تو اسے یقین نہیں آئے گا کہ خدا تعالیٰ موجود ہے اور وہ قادر و توانا ہے۔ لیکن ایسا ہوتا کبھی نہیں۔ بے شک ہر دعا تو قبول نہیں ہوتی لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس میں بھی ایک مصلحت ہے کہ ہر دعا قبول نہیں ہوتی۔ جب قبول ہو جاتی ہے تو انسان کا دل یقین سے بھر جاتا ہے کہ خدا موجود ہے اور قادر و توانا ہے۔ خاص طور پر جب وہ اپنے قادر و توانا ہونے کے ثبوت کے لئے نشانات ظاہر کرتا ہے تو پھر تو ایمان کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ (ہماری دعائیں آپ کے لئے) فرماتے ہیں کہ ایمان اور عملی حالت کو دعاؤں سے طاقت دیتے رہو یعنی ہمارا ایمان یہ ہماری دعاؤں سے بڑھ سکتا ہے۔ اور بڑھانا چاہئے۔ اور ہماری عملی قوت بھی ایمان سے بڑھ سکتی ہے۔ اور بڑھانی چاہئے۔ جب ہم دعا کرتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ خدا موجود ہے' قادر و توانا ہے اور دعائیں سنتا ہے تو ہم اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہو۔ اور جب قبول ہو جاتی ہے تو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کے قادر و توانا ہونے کی صفت اور اس کے سننے کی صفت میں ہمارا ایمان بھی بڑھ جاتا ہے اور ہمیں حوصلہ ملتا ہے کہ اس خدا کی پشت پناہی میں ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ عملی قوت اسی طرح بڑھ سکتی ہے کہ ہمیں پتہ چلے کہ باوجود اس کے کہ ہم تو کمزور ہیں لیکن ہماری پشت پناہ ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ جس شخص کی پشت پناہ کوئی بہت بڑی طاقت ہو وہ از خود کچھ نہ کرنے کے قابل ہونے کے باوجود کچھ کر گذرتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی عملی طاقت بڑھ جاتی ہے۔

پس حضرت صاحب کا یہ فرمانا کہ ایمان اور عملی طاقت کو دعاؤں سے بڑھاتے رہو۔ یہ ایک ایسا راز ہے جو جس پر کھل جائے اس کے آگے ترقی کے دروازے کھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ کوئی بہت بڑی طاقت اس کی پشت پناہی کر رہی ہے اور اسے آگے سے آگے بڑھنے میں مدد دے رہی ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کے لئے ایمان اور عملی قوت کی ضرورت ہے۔ ایمان نہ ہو تو عملی قوت پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ ایمان ہو اور دعائیں نہ کی جائیں تو عملی قوت بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس دعائیں ایمان کو بھی بڑھاتی ہیں عملی قوت کو بھی اور یہی انسان کی حقیقی طاقت ہے۔ اس کی کمزوری کے باوجود یہ ایسی طاقت اسے مل جاتی ہے کہ وہ دنیا میں بڑے سے بڑا کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسے کر گذرتا ہے۔

نوعِ انسان کا رُخ موڑ دیا ہے تُو نے
رشتۂ خلقِ خدا جوڑ دیا ہے تُو نے
زندگی اپنی بسر کرکے نہایت سادہ
کبر و پندار کا بُت توڑ دیا ہے تو نے

ابوالاقبال

سحر

پیغامِ زندگی ہے تری ہر حسیں کرن
رشکِ بہارِ خُلدِ بریں ہے تری پھبن

ہر شے کو لالہ فام کئے جا رہی ہے تُو
آئی ہے تُو کہاں سے کہاں ہے ترا وطن

انوارِ سرمدی کا مکمل ظہور ہے
پنہاں تری نگاہ میں صد حُسنِ طور ہے

مرہونِ حسن و عشق ہے تیری حسیں نمود
کوثر میں دُھل چکا ہے تقدّس فزا وجود

تخئیل سر بلند سے بھی ہے بلند تر
تیری گرفت میں ہے یہ دنیائے ہست و بود

آئینہ دارِ رنگِ رخِ یارِ لامثال
ہے سجدہ ریز در پہ ترے صاحبِ کمال

اشارے

نادار اور یتیم بچوں کی تعلیم کیلئے

شعبہ امداد طلباء کے عطایا

شعبہ امداد طلبہ مستحق نادار اور یتیم طلبہ کی امداد کے لئے صدر انجمن احمدیہ میں مشروط بآمد کے طور پر ہے۔ اس کے اخراجات عطیات اور صدقات کے ذریعہ پورے کئے جاتے ہیں۔

شعبہ امداد طلبہ مخیر احباب کی اعانت کا محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

عطیات اور صدقات لی رقوم اس وضاحت کے ساتھ کہ یہ رقم عطیہ یا صدقہ برائے امداد طلبہ ہے۔ براہ راست بنام نگران امداد طلبہ یا خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد امداد طلبہ بھجوا کر ممنون فرماویں۔

(ناظر تعلیم)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نسیم سیفی

حضرت مولوی محمد دین صاحب

حضرت مولوی محمد دین صاحب بی۔ اے۔ مربی امریکہ، ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان۔ ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ پاکستان صدر صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔

خط چونکہ اپنے حال احوال کا شفاف آئینہ ہوتے ہیں اور اپنے جذبات کا بے لوث اظہار اس لئے ہر وہ خط جو حضرت امام جماعت الثانی کی خدمت میں لکھا جاتا ہے اسے محفوظ رکھا جاتا ہے اور اسے جماعت کا اثاثہ سمجھا جاتا ہے۔ مجھ سے کئی دفعہ بعض دوستوں نے پوچھا کہ ہم نے حضرت صاحب کی خدمت میں خط لکھا تھا۔ معلوم نہیں نیچے کے لوگوں نے جس سے مراد دفتر کے کارکن ہیں حضرت صاحب تک پہنچایا کہ نہیں۔ میں ہمیشہ جواب دیتا ہوں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت صاحب کو لکھا گیا خط کوئی دفتری کارکن روک لے اور حضرت صاحب تک نہ پہنچنے دے۔ ہر خط جو حضرت صاحب کو لکھا جاتا ہے وہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور آپ کی نظروں سے گذرتا ہے۔ آپ دعائیہ خطوط پر دعا تحریر فرماتے ہیں اور دیگر خطوط جن پر کوئی ہدایت دینی ہو ان کے حاشیہ میں ہدایت دیتے ہیں یا پرائیویٹ سیکرٹری کو نوٹ لکھا دیتے ہیں۔

میں پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے دفتر میں کسی کام سے گیا تو محترم مولوی عبدالرحمان صاحب انور جو ان دنوں قائم مقام پرائیویٹ سیکرٹری تھے کہنے لگے آؤ تمہیں ایک خط دکھاؤں جو تمہاری دلچسپی کا باعث ہو گا۔ انہوں نے مجھے ایک ایسا خط دکھایا جو ۱۹۱۹ء میں تلونڈی جھنگلاں کے احمدیہ پرائمری سکول کے ایک استاد کے متعلق تھا۔ وہاں سے حضرت صاحب کو شکایت ملی کہ استاد بچوں کو مارتا ہے چنانچہ حضرت صاحب نے محترم مولوی محمد دین صاحب کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ تلونڈی جھنگلاں (قادیان کے قریب) جا کر تفتیش کریں۔ چنانچہ محترم مولوی صاحب وہاں تشریف لے گئے اور آپ نے جو رپورٹ لکھی اس میں یہ تحریر کیا کہ یہ بات درست ثابت نہیں ہوئی چنانچہ محترم مولوی محمد دین صاحب کی یہ رپورٹ اور تلونڈی جھنگلاں کے ایک شخص کا ایک خط جو حضرت صاحب کی خدمت میں لکھا گیا تھا محترم مولوی عبدالرحمان صاحب انور نے مجھے دکھایا۔ جس استاد کی شکایت کی گئی تھی اور جس کی محترم مولوی محمد دین صاحب نے بریت کی وہ میرے والد صاحب حضرت ماسٹر عطا محمد صاحب تھے۔ یہ خطوط دیکھ کر مجھے سب سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہوئی کہ قادیان سے جن مشکلات میں وہاں کے باشندے ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے تھے انہوں نے کس طرح اس اثاثہ کو محفوظ رکھتے ہوئے یہاں تک پہنچایا۔ ۱۹۱۹ء کا خط اور تقریباً ساٹھ ستر سال بعد بھی پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں محفوظ۔ یہ واقعی بڑی تعجب کی بات ہے۔ دوسری بات جس نے مجھے متعجب کیا وہ یہ تھی کہ بعض اوقات ایک شخص دوسروں کی نمائندگی کرتا ہوا بغیر ان سے پوچھے اور بغیر ان سے مشورہ لئے کوئی ایسی بات لکھ دیتا ہے جو درست نہیں ہوتی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ "لوگ" کے لفظ کو غلط استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کسی ایک شخص نے پوچھا کہ اب کافی دیر سے الفضل میں آپ کا مضمون نہیں آیا۔ تو اس شخص نے مدیر سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اب تمہارے مضمون الفضل میں نہیں آ رہے اور لوگ تقاضا کرتے ہیں کہ تمہیں لکھتے رہنا چاہئے حالانکہ ان سے صرف ایک شخص نے کہا تھا کہ اب کچھ عرصہ سے آپ کے مضمون الفضل میں نہیں شائع ہو رہے۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ "لوگ" ایک ایسا لفظ ہے جسے بہت زیادہ غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک ہی شخص کو "لوگ" بنا کر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ یہ بات کہہ رہے ہیں۔

محترم مولوی محمد دین صاحب امریکہ تشریف لے گئے لیکن جب وہ امریکہ میں تھے۔ اس وقت میں بہت چھوٹا بچہ تھا۔ اور مجھے ذاتی طور پر ان کے متعلق کچھ بھی علم نہیں۔ لیکن میں اکثر اپنے والد صاحب سے سنتا تھا کہ مولوی محمد دین صاحب کی انگریزی اپنی سادگی اور شگفتگی کی وجہ سے تقریباً بے مثال ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقرے چھوٹے چھوٹے پیراگراف اور بات بالکل واضح کر کے کہتے تھے۔ یہ بھی میں نے سنا کہ وہاں پر زیادہ تر اپنے ہی لباس میں یعنی سلوار اور قمیض میں ہوٹل میں بیٹھ جاتے تھے ایک چادر اپنے کندھوں پر رکھی ہوتی تھی لوگ ان کی اس ہیئت کذائی کو دیکھ کر تعجب بھی کرتے اور ان سے گفتگو کرنے کے لئے خود آگے بڑھ کر ان سے پوچھتے کہ وہ کون ہیں اور کس طرح یہاں تشریف لائے ہیں۔ اس طرح دعوت الی اللہ کا دروازہ کھل جاتا اور آپ نہایت بردباری اور تحمل سے اور دھیمی آواز میں لوگوں کو بتاتے کہ امریکہ آنے کا آپ کا مقصد کیا ہے۔ یہ باتیں میں نے اپنے والد صاحب سے سنیں۔

محترم مولوی صاحب کو دیکھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب میں پانچویں چھٹی جماعت میں تھا تعلیم الاسلام ہائی سکول میں طالب علم تھا۔ وہاں سکول کی سامنے کی گراؤنڈ میں جو میچ کھیلے جایا کرتے تھے ان میں محترم مولوی صاحب ایک کرسی پر تشریف فرما ہوتے اور لوگ آپ کی رومی ٹوپی جو بغیر پھندنے کے ہوتی تھی اس کے متعلق باتیں کرتے۔ محترم مولوی صاحب کی مزاح کی حس بڑی تیز تھی۔ آپ مزاح کی باتیں سنتے بھی تھے اور کرتے بھی تھے۔

اس کے بعد جب میں آٹھویں جماعت میں ہوا تو میں نے دیکھا محترم مولوی صاحب کلاس میں آخری بنچوں میں سے کسی بنچ پر بیٹھ کر استاد کی تدریس دیکھتے رہتے۔ غالباً بعد میں اپنے دفتر میں تدریس کے متعلق استاد کو مشورے بھی دیتے۔ بعض اوقات طالب علموں کو پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ محترم مولوی صاحب پچھلے دروازے سے آ کر ہمارے پیچھے بیٹھ گئے۔ لیکن کبھی کبھی مزاح کے طور پر وہ کسی طالب علم کو یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے بھنوؤں کو بل دے رہا ہے۔ مسکراتے اور اس سے کہتے کہ بس تھوڑا ہی عرصہ رہ گیا ہے۔ آپ اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا کریں گے۔ اب جو آپ بھنوؤں کو تاؤ دیتے ہیں یہ مشق ہے اپنی مونچھوں کو تاؤ دینے کی۔ یہ ایک مزاح کی بات ہوتی تھی جس سے وہ خود بھی لطف اندوز ہوتے اور طالب علم بھی اس کا مزا لیتا۔

اگرچہ ان کے اپنے کمرہ میں تقریباً تین فٹ لمبی ایک چھڑی کیل کے ساتھ لٹکی ہوتی تھی جو بعض اوقات ہمارے انگریزی کے استاد جماعت کی پٹائی کرنے کے لئے منگوایا کرتے تھے۔ اور چونکہ میں اگلے بنچوں پر بیٹھتا تھا اس کے لئے عام طور پر مجھی سے کہتے کہ ہیڈ ماسٹر کے کمرے سے بید لاؤ۔ اور جب میں وہ بید لے آتا تو ساری کلاس کی پٹائی ہوتی لیکن محترم مولوی صاحب کا اپنا دستور یہ تھا کہ ایک چھوٹی سے چھڑی جو تقریباً لمبائی میں ایک فٹ ہوتی اپنے کوٹ کی آستین میں رکھتے تھے تا کہ ہاتھوں میں وہ نظر نہ آئے لیکن جب ضرورت پڑے کوٹ کی آستین سے نکال کر استعمال کر لی جائے۔ مجھے ایک دن ایک استاد صاحب نے کسی کام سے اپنے گھر بھیجا تو دوسرے دن میں نے یہ سمجھ کر کہ کلاس روم سے کھسکنے کا یہ بہت آسان طریق ہے اس استاد کی کلاس سے جو حساب پڑھاتے تھے اور گن گن کر سوٹیاں مارتے تھے کھسکنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ میں کلاس روم سے اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر جب واپس آیا تو راستے میں سکول کے قریب ہی محترم مولوی صاحب گھومتے ہوئے مل گئے۔ مجھ سے پوچھنے لگے بیٹا کہاں گئے تھے۔ میں نے یہ بہانہ تراشا کہ ایک استاد صاحب نے مجھے اپنے گھر بھیجا تھا۔ محترم مولوی صاحب نے کچھ اور کہنے کی بجائے صرف اتنا کہا کہ اچھا کسی کام سے گئے تھے۔ ہاتھ نکالو۔ اور انہوں نے اپنے آستین میں سے سوٹی نکال کر مجھے چھ سوٹیاں ماریں ایسے لگتا تھا کہ سوٹی ہاتھ کو لگی ہی نہیں۔ نہایت آہستگی کے ساتھ سوٹی اٹھاتے اور ہاتھ پر رکھ دیتے۔ گویا کہ علامتی طور پر سوٹی مارتے تھے نہ کہ جیسے حساب کے استاد کہ ایک ایک سوٹی پر طالب علم چیخ اٹھتا تھا۔

چونکہ خود ان کا سزا دینے کو جی نہیں چاہتا تھا اور وہ زور سے سوٹی مار ہی نہیں سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے سیکنڈ ماسٹر صاحب کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی کہ جب بھی کسی طالب علم کی پٹائی کرنی ہو وہ کیا کریں۔

مجھے یاد ہے کہ یہ سیکنڈ ماسٹر صاحب کبھی کسی کلاس میں آ کر کسی طالب علم کا نام لیتے اور اسے باہر بلا کر برآمدے میں اسے سوٹیاں لگاتے کبھی ایسا ہوتا کہ سارے سکول کو سکول کے ہال میں بلا کر اعلان کرتے کہ میں یہ سزا دینے لگا ہوں۔ مثلاً یہ کہ ان دو لڑکوں کو سزا دی جائے گی۔ بارہ بارہ سوٹیاں لگائی جائیں گی پہلے چھ ایک کو پھر چھ دوسرے کو۔ میرا خیال ہے کہ اول تو محترم مولوی صاحب اس وقت موجود ہی نہیں ہوتے تھے لیکن اگر اس وقت موجود ہوتے ہوں گے تو یقیناً ان کا اپنا دل دھڑکتا ہو گا۔ ان کی طبیعت اتنی نرم تھی کہ وہ نہ خود سوٹیاں مار سکتے تھے نہ کسی کو سوٹیاں مارتے دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے ہال میں بھی جب کسی کو سزا دی جاتی تھی تو عام طور پر محترم مولوی صاحب وہاں موجود نہیں ہوتے تھے۔

تقسیم برصغیر کے بعد پاکستان میں آپ ناظر تعلیم مقرر کئے گئے اور ایک عرصہ تک آپ نے نظارت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس عرصہ میں میں چونکہ پاکستان سے باہر تھا اس لئے میں نے ان کے نظارت تعلیم کے فرائض کے متعلق نہ کچھ دیکھا اور نہ سنا لیکن اس کے بعد آپ صدر انجمن احمدیہ کے صدر مقرر کئے گئے۔ اس وقت آپ خاصے بوڑھے ہو چکے تھے۔ اپنے کمرے سے باہر برآمدہ میں کرسی پر تشریف رکھتے تھے میں جب بھی ان کے پاس سے گذرتا مجھے بڑے پیار سے بلاتے کبھی میرے متعلق کبھی میرے والد صاحب کے متعلق کچھ پوچھتے ہمدردی اور پیار کا اظہار کرتے۔ وفات سے چند روز پہلے حضرت مولانا محمد شریف صاحب اور خاکسار آپ سے شرف ملاقات کے لئے گھر پر گئے تو خاصی دیر تک آپ باتیں کرتے رہے۔ اپنی زندگی کے حالات بتاتے رہے اور اس بات کی طرف توجہ دلاتے رہے کہ ہمارے جملہ کارکنوں کو اخلاص کے ساتھ خدمت دین کرنی چاہئے۔ فرمایا یہ نہیں کہ کس نے کتنی خدمت کی ہے

باقی صفحہ ۴ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

فزکس لارئیٹ پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام

اسلام میں سائنس کا زوال

علیحدگی پسندی کا مطلب موت ہے

کیا وجہ ہے کہ اسلامی ممالک نے سب کچھ کھو دیا۔ اس کا صحیح اندازہ کسی کو بھی نہیں ہے۔ یقیناً کچھ خارجی اسباب موجود تھے۔ مثلاً منگولوں نے ہر طرف تباہی مچادی تھی۔ اگرچہ یہ سب کچھ نہایت اذیت ناک تھا۔ مگر شاید اسے اپنی نوعیت میں ایک عارضی رکاوٹ ہونا چاہئے تھے۔ چنگیز خاں کے ساٹھ برس کے بعد اس کے پوتے ہلاکو نے مراغہ میں ایک درسگاہ قائم کی تھی۔ میری ناچیز رائے میں اسلامی دولت مشترکہ میں زندہ سائنس کی رحلت کی وجہ اندرونی اسباب تھے۔ میں آج اس موقع پر ان کا تجزیہ نہیں کروں گا اس مردہ دلی کو بیان کرنے کے لئے جو ہم پر محیط ہو گئی تھی۔

میں ابن خلدون سے اقتباس پیش کروں گا۔ ابن خلدون جو عظیم ترین معاشرتی تاریخ دانوں میں سے ایک ہے اور تمام زمانوں کے روشن ترین دماغوں میں سے ہے۔ اس نے یہ سب کچھ اس وقت لکھا جب سکاٹ لینڈ کے مائیکل اور ٹیپن کے ہنڈوک کو حصول علم کے لئے اسلامی دنیا کا سفر اختیار کئے ۱۷۶ برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔

ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں لکھا۔

ہم نے حال ہی میں سنا ہے کہ فرانسیسیوں کے علاقے میں اور بحیرہ روم کے شمال میں فلسفیانہ علوم کا ایک عظیم تمدن ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان علوم کا وہاں مطالعہ ہوتا ہے اور بہت سی جماعتوں میں ان کی تدریس بھی ہوئی ہے۔ ان کا موجودہ نظام کار کہا جاتا ہے کہ جامع ہے ان علوم کو جاننے والے لوگ خاصی تعداد میں ہیں اور ان کے طلبہ کی تعداد بھی خاصی زیادہ ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے لیکن یہ بات واضح ہے کہ طبیعیات کے مسائل ہمارے مذہبی امور کے لئے کسی بھی اہمیت کے حامل نہیں ہیں اس لئے ہمیں انہیں ان پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔

ابن خلدون نے نہ کسی اشتیاق کا اظہار کیا ہے نہ ہی حسرت کا۔ ہر طرف ایک مردہ دلی ہے جو مخاصمت کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہی مخاصمت ہمیں علیحدگی پسندی کی حد تک لے گئی۔ الکندی کی یہ روایت کہ علم حاصل کرو خواہ وہ کہیں سے بھی میسر آئے فراموش کر دی گئی۔ مسلم دنیا نے اس مغرب کے ساتھ کوئی رابطہ رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جہاں سے علوم کی تخلیق کا آغاز ہو چکا تھا۔ پانچ صدیاں پہلے مسلمانوں نے حریصانہ طریقے سے علم کی جستجو کی تھی۔ پہلے یونانیوں سے پھر علماء کی نسطوری نو آبادیوں میں جندریشاپور اور ہران میں جہاں یونانی اور سریانی زبانوں سے تراجم کئے گئے تھے پھر انہوں نے بغداد اور قاہرہ اور دوسرے مقامات پر ایڈوانس مطالعے کے اداروں کی بنیاد رکھی تھی۔ بیت الحکماء میں بین الاقوامی معائنہ گاہیں شماسیہ وغیرہ ان میں شامل تھے۔ جہاں دنیا بھر کے تمام ممالک سے سائنسدانوں کا اجتماع ہوتا تھا۔

یہ اجتماعات ۱۲۰۰ء کے لگ بھگ مغرب میں ٹولیڈو اور پالرمو میں ہونے شروع ہوئے جہاں جلدی جلدی اس وقت کی دنیا بھر کی ممتاز ترین زبان عربی میں تراجم کئے جانے لگے لیکن اسلامی علاقوں نے صورت حال کو تبدیل کرنے کی بالکل کوئی کوشش نہ کی جس کے باعث ان کے علمی روابط ان علاقوں سے بہت رسمی نوعیت کے رہے جہاں سائنس کی افزائش ہو رہی تھی اور علیحدگی پسندی کا مطلب موت ہے۔

یہ کہانی یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ ابن خلدون کے زمانے سے یہ خرد مندانہ علیحدگی پسندی جاری رہی۔ ان زمانوں میں بھی جب اسلامی مملکتیں بہت عظیم ہو گئی تھیں۔ مثلاً ترکی میں عثمانی عہد۔ ایران میں صفوی خاندان۔ اور ہندوستان میں مغل راج۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وقت کے سلطان اور شہنشاہ کو یہ علم نہیں تھا کہ یورپ والے تیکنیکی شعبے میں تیزی سے اضافہ کر رہے ہیں یہ تو شاید ممکن نہ ہو کہ ان کے کانوں تک یہ خبر نہ پہنچی ہو کہ دینے ٹین اور گوفوئٹر نے بندوق بنانے کے فن میں اور جہاز رانی اور جہاز سازی کے فن میں پرتگیزوں نے بہت ترقی کر لی ہے اور دنیا بھر کے سمندروں پر ان کا قبضہ ہے۔

ان سمندروں پر بھی جن کے ساحل اسلامی ممالک تھے اور ان سمندری راستوں پر بھی جن سے حج کے لئے سفر کیا جاتا تھا۔ مگر یوں لگتا ہے کہ کبھی ان کو یہ اندازہ ہی نہیں ہوا کہ پرتگیزوں کی جہاز رانی کی ہنرمندی اتفاقی شے نہیں تھی۔ بلکہ اسے باقاعدہ سائنسی بنیادوں پر استوار کیا گیا تھا۔ اور بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ اس تخلیق کا آغاز سگریز سے ہوا تھا۔ جو پرنس ہنری دی نیوی گیٹر نے قائم کی تھی۔ اور اس سے متعلق ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی جس میں سفارت بھی شامل تھی۔ ۱۷۹۹ء میں بہت تاخیر کے ساتھ سلیم سوئم نے الجبرا اور ٹرگنومیٹری میکنکس۔ بالسٹکس اور میٹالوجی کے مضامین ترکی میں متعارف کرائے۔ اور فرانسیسی اور سویڈن کے رہنے والے اساتذہ کو درآمد کیا گیا۔ تاکہ یورپ کے بندوق سازی کے فن کا مقابلہ کیا جاسکے مگر اسے یہ خیال نہ آیا۔ کہ ان مضامین میں بنیادی تخلیق کا بھی آغاز کرے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ترکی کبھی بھی یورپ کا ہم پلہ نہ ہو سکا۔ ۳۰ برس کے بعد محمد علی نے مصر میں اپنے کچھ لوگوں کو کوئلے اور سونے کی کانوں کے سروے کے فن میں تربیت دلوائی۔ مگر اسے اور اس کے جانشینوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ مصریوں کو ارضیات کی سائنس میں لمبے عرصے کی تربیت دلوا دیتے اور آج تک بھی جب ہمیں اندازہ ہو چکا ہے کہ ٹیکنالوجی ہی اصل غذا اور قوت ہے ہم نے ابھی تک یہ نہیں جانا۔

کہ اس کے لئے کوئی مختصر راستہ نہیں ہے۔ بنیادی سائنس اور اس کی تخلیقات کو ہمارے تمدن کا حصہ بننا چاہئے۔ اور یہ سائنس کے اطلاق پر گرفت حاصل کرنے کے لئے پیشگی شرط ہے۔ اگر کوئی انسان میکاولی کا تتبع کرے تو وہ شائد یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ ٹیکنالوجی سائنس کے بغیر جن لوگوں نے ہمیں یہ خیال فروخت کیا ان کی بات یقیناً ٹھیک نہیں ہے اس بات کو زیادہ واضح کرنے کے لئے مجھے اجازت دیجئے کہ میں لندن کے ایک جریدے اکانومسٹ کے ۲۷/ ستمبر ۱۹۸۰ء کے شمارے میں جو حال میں شائع ہوا ہے ایک اقتباس پیش کروں "سولر انرجی" (سورج کی توانائی) کو قابو میں لانے کے خیال سے متعلق ہے۔

"اگر شمسی توانائی نے دنیا بھر کے ایندھن کا حل تلاش کرنا ہے تو اس کا حل یہ نہیں کہ چھتوں پر ریڈی ایٹر کی پست ٹیکنالوجی بروئے کار لائی جائے۔ یہ طریقہ بیسویں صدی کی سائنس پر انحصار کرتا ہے۔ یہ مسئلہ اس وقت صحیح معنوں میں حل ہو گا۔ اگر ہم کو انٹم طبیعیات کا "بائیو کیمسٹری" اور دوسری صدی کے دوسرے علوم کا اطلاق کریں گے۔ آج کی جس قدر بھی ٹیکنالوجی کی بنیادی صنعتیں ہیں سب کا انحصار جدید سائنس پر ہے۔

(ہفتہ روزہ لاہور ۲۰۔ اگست ۹۴ء)

بقیہ صفحہ ۳

بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کس نے کتنے اخلاص سے خدمت کی ہے۔ خدمت تھوڑی بھی ہو اور اخلاص سے کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا بہت بڑا اجر دیتا ہے اور خدمت کا عرصہ لمبا ہو اور اس میں اخلاص کم ہو تو وہ خدمت اتنے کام کی نہیں جتنی کہ ہونی چاہئے۔ اس طرح خاصی دیر تک ہم آپ کے پاس بیٹھے رہے اور آپ کی نہایت مفید باتوں سے متمتع ہوتے رہے۔ آپ کے الفاظ میں ہدایت کی روح تھی اور آنکھوں میں پیار تھا اور آپ کا جی نہیں چاہتا تھا کہ ہم انہیں چھوڑ کر جائیں۔ یعنی ایسے لگتا تھا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ دیر ان کے پاس بیٹھیں بہت سے دوست آپ سے ملنے آتے تھے۔ اور اس لئے بھی کسی ایک فرد کا زیادہ دیر تک بیٹھنا مناسب نہیں تھا۔ لیکن جب تک ہم بیٹھے رہے اور ہم خاصی دیر تک بیٹھے رہے کوئی دوسرا شخص نہیں آیا۔ اور ہمیں آپ کی بہت سی باتیں سننے کا موقع ملا۔

یہ بات بھی بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ جس مکان میں رہتے تھے وہ میرے مکان سے صرف چار پانچ مکانوں کے فاصلے پر ہے۔ میں اکثر اس بات پر حیران ہوتا تھا کہ ان کے دروازے پر جو نیم پلیٹ (بورڈ) آویزاں ہے اس پر محمد دین ناظر تعلیم لکھا ہوا ہے۔ اگرچہ اس سے ایک لمبا عرصہ پہلے آپ صدر صدر انجمن احمدیہ ہو گئے تھے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ناظر تعلیم کے لئے صدر صدر انجمن احمدیہ ہو جانا بہت بڑا اعزاز ہے۔ لیکن آپ نے اپنے پہلے بورڈ کو کبھی نہیں بدلوایا۔ ساری عمر یا یوں کہئے کہ عمر کے آخری حصہ تک آپ کے دروازے پر محمد دین ناظر تعلیم ہی کا بورڈ لگا رہا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تعلیم چونکہ ان کا بنیادی پیشہ تھا چاہے وہ مربی ہوں یا ہیڈ ماسٹر ہوں اس لئے وہ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ ناظر تعلیم ہی کا لفظ ان کے نام کے ساتھ لگا رہے۔ لیکن یہ میری اپنی ذوقی بات ہے انہوں نے اس بات کا اظہار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے اور ہمیں آپ کی نیکیوں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی توفیق دے۔

آپ کا خط ملا

○ مکرم چوہدری ظہور احمد باجوہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

اخبار الفضل مورخہ ۲۳۔ اکتوبر ۱۹۹۴ء میں حضرت مولانا غلام رسول راجیکی کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ حضرت مولوی صاحب جیسے عارف باللہ کے حالات بہت ہی ایمان افروز ہیں اور ضروری ہے کہ ان کا ذکر خیر بار بار جماعت کے نوجوانوں کے سامنے آتا رہے۔

اس مضمون میں جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ تو بالکل درست ہے مگر اس وقت جس نکاح کا اعلان ہوا وہ میرے چھوٹے بھائی چوہدری محمد صفدر باجوہ کا تھا۔ اس تصحیح کی طرف حیات قدسی کی اشاعت کے بعد میں نے متعلقہ ناشروں کو توجہ بھی دلائی تھی کہ اصل واقعہ تو درست ہے مگر اس موقعہ پر میرے چھوٹے بھائی کے نکاح کا

باقی صفحہ ۷ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ڈاکٹر وزیر آغا

(ماخوذ از المنار)

چند یادیں - چند تاثرات

یقین نہیں آتا کہ مولانا صلاح الدین احمد کو ہم سے رخصت ہوئے اتنا عرصہ ہو چکا ہے۔ مولانا سے آخری ملاقات ابھی کل کی بات معلوم ہوتی ہے۔ میں سرگودھا سے لاہور پہنچا تو وہ حسب معمول ہشاش بشاش تھے۔ ہم لوگ دوپہر تک دفتر "ادبی دنیا" میں بیٹھے کام کرتے رہے۔ پھر کھانا کھانے چلے گئے۔ کھانے کے دوران میں مولانا نے بتایا کہ انہیں بلڈ پریشر کی تکلیف کچھ زیادہ ہو گئی ہے اور ڈاکٹروں نے نمک منع کر دیا ہے۔ ہنس کر کہنے لگے "پہلے ان لوگوں نے شکر منع کر دی تھی' اب نمک سے بھی محروم کر دیا ہے۔ کل حکم ملے گا پانی پینا بھی چھوڑ دو۔ لیکن آج میں پرہیز نہیں کروں گا۔" چنانچہ انہوں نے شاید کئی روز کے بعد خوب پیٹ بھر کھانا کھایا۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ باتیں کرتے ہوئے مولانا کے گرد مسرت اور طمانیت کی یہ فضا گہری تاریکی میں گم ہو گئی۔ مولانا یکایک خاموش ہو گئے اور کئی منٹ تک گم سم ٹکٹکی باندھے سامنے کی سفید دیوار کو گھورتے رہے۔ میں نے پچھلے بیس برس میں انہیں کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب وہ بولے تو ان کی آواز سرگوشی کی سطح سے بلند نہیں تھی۔ کہنے لگے "میں چاہتا ہوں کہ جلد ہی ایک وصیت نامہ تحریر کر دوں تاکہ میرے بعد ادبی دنیا اور اردو فاؤنڈیشن محفوظ ہاتھوں میں رہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس بارے میں اب کسی گومگو کے عالم میں نہیں ہوں۔" مولانا جب کبھی آنے والی "ساعت" کا ذکر کرتے تو میں ہمیشہ بات کا رخ بدلنے کی کوشش کرتا اور کچھ نہیں تو ان کی پیالی میں ڈھیر سی چینی انڈیل دیتا اور وہ سب کچھ بھول کر ہنستے اور احتجاج کرتے ہوئے پیالی کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ لیکن اس روز مولانا نے کسی ایسی بات کی طرف توجہ ہی نہیں دی اور بڑی دیر تک اپنے کام کی جست کے بارے میں ایسی باتیں کرتے رہے جو اس روز سے قبل انہوں نے کبھی نہ کی تھیں۔ یہ باتیں آج بھی میرے دل پر نقش ہیں۔

میرے لئے آج کا دن بے حد کرب انگیز ہے۔ عرصہ ہوا جب آج کے روز برادرم وجیہ الدین احمد نے مجھے ٹیلیفون پر مولانا کی وفات کی روح فرسا خبر دی تو مجھے یوں لگا تھا جیسے اچانک گہری تاریکی چھا گئی ہے اور کسی نے میرا دل اپنی مٹھی میں لے کر آہستہ سے دبا دیا ہے۔ آج غم کی شور انگیزی کا وہی عالم تو نہیں کیونکہ وقت بہرحال زخموں پر پھاہا رکھ دیتا ہے۔ تاہم مجھے ایسا ضرور محسوس ہوا جیسے مولانا کے بغیر زندگی مفلس اور تہی دامن ہو کر رہ گئی ہے۔ مگر میرے لئے آج کا دن مسرت افزا بھی ہے کیونکہ مولانا کی ذات سے وابستہ ہزاروں میٹھی اور کومل یادوں نے مجھے دفعتاً گھیر لیا ہے اور میں خود کو روشنی کے ایک درخشاں ہالے میں تیرتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔

میں جب مولانا کے بارے میں سوچتا ہوں' مجھے ان کی شخصیت کے دو رخ نمایاں طور پر ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک رخ تو ملائمت' لچک' اغماض و درگزر' ہمدردی اور کشادہ دلی سے اور دوسرا ارادے کی پختگی' ثابت قدمی اور خطر پسندی سے عبارت ہے اور جب تک ان دونوں رخوں کا ایک ساتھ جائزہ نہ لیا جائے مولانا کی شخصیت کے سارے خدوخال سامنے نہیں آ سکتے۔ اتفاق دیکھئے کہ مجھے مولانا کی شخصیت کے ان دونوں رخوں کو قریب سے دیکھنے کے لاتعداد مواقع ملے ہیں اور آج کہ مولانا کی برسی ہے وہ تمام واقعات میری طرف لپکتے چلے آ رہے ہیں جو مولانا کی شخصیت کے ان دونوں پہلوؤں سے متعلق تھے۔ مولانا اپنی شخصی حیثیت میں ملائمت اور محبت کا سرچشمہ تھے۔ ان کی کشادہ دلی کا یہ عالم تھا کہ دوسروں کی بے اعتنائی' حسد اور بدتمیزی تک کو ہنس کر برداشت کر لیتے تھے۔ کہتے "مجھے ان لوگوں کی حالت پر رحم آتا ہے۔" مجھے یاد ہے مولانا کے ایک کرم فرما جو آج دنیاوی اعتبار سے خاصے اونچے مقام پر فائز ہیں اپنی بیکاری کے ایام میں ایک میلا سا ہینڈ بیگ اٹھائے صبح سویرے ہی مولانا کے دفتر وارد ہو جایا کرتے تھے اور سارا سارا دن وہیں تشریف فرما رہتے تھے۔ حتیٰ کہ مجبوراً مولانا کے کھانے میں بھی شریک ہو جاتے تھے۔ پھر مولانا نے بڑی تگ و دو کے بعد انہیں ایک اعلیٰ دنیاوی منصب دلا دیا لیکن وہ جلد ہی مولانا کے سب احسانات کو فراموش کر گئے۔ مولانا ان کے ہر وار خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے اور کبھی اپنے احسانات کا ذکر تک کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔ لیکن ایک دن نجانے کیا ہوا' شاید ان حضرت نے کوئی تازہ وار کیا تھا کہ مولانا کہنے لگے 'دیکھو یہ شخص اب کس قدر خوش حال ہے لیکن اس کے حسد کا آج بھی یہ عالم ہے کہ جب کبھی میں اس سے اپنے کسی بیٹے یا ادارے سے متعلق کوئی خوش خبری سناتا ہوں تو یہ اپنی تھوک نگلتا ہے اور اس کا رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی مولانا نے اپنے اس کرم فرما سے خوش گوار تعلقات قائم رکھے اور کبھی اس سے کسی بات کا شکوہ تک نہیں کیا۔ عام زندگی میں بھی مولانا کے ہاں قوت برداشت کی حیرت انگیز فراوانی تھی۔ وہ اپنی علالت کے پیش نظر ادبی محفلوں میں جانے سے کتراتے تھے لیکن جو شخص بھی اس سلسلے میں ان کے ہاں ایک بار چلا گیا وہاں سے مایوس ہو کر نہ لوٹا۔ وہ پہلے تو بڑی ملائمت سے انکار کرتے' اپنی علالت کا حوالہ دیتے' اپنی مصروفیات کی ایک ایک شق کھول کر اس کے سامنے رکھ دیتے اور پھر اچانک محفل میں شریک ہونے سے انکار کر دیتے لیکن آخر میں مان جاتے تھے۔ بس ادھر نووارد کے چہرے پر مایوسی کی ایک ہلکی سی لہر نمودار ہوئی اور ادھر مولانا کا دل پسیج گیا۔ وہ کسی کو دکھی حالت میں تو دیکھ ہی نہ سکتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت انہوں نے اپنی شدید علالت کے باوجود قبولا میں جا کر مضمون پڑھنا قبول کر لیا اور پھر وہاں سے زندہ سلامت واپس نہ آ سکے۔ مولانا کو گرد سے سخت نفرت تھی۔ جوانی کے ایام میں وہ اپنے بڑے بھائی کے پاس گجرات کاٹھیاواڑ میں کچھ عرصہ مقیم رہے اور وہاں انہوں نے کپڑے کے ایک کارخانہ میں کپڑا بننے کی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ٹیکسٹائل مل کے اندر گرد کی جو ایک دبیز سی چادر تن جاتی ہے اس نے مولانا کے اعصاب کو بری طرح متاثر کیا۔ انہوں نے ملازمت چھوڑ دی لیکن اس کے بعد باقی تمام عمر گرد سے خائف رہے۔ اہل ربوہ ہر سال بڑی محبت سے انہیں مدعو کرتے اور مولانا ہر بار واپسی پر بآواز بلند یہ کہتے سنائی دیتے کہ اگلے برس وہ یہاں نہیں آئیں گے لیکن اگلے برس پھر چلے آتے۔ ایک دفعہ تو انہوں نے خود پر جبر کر کے اس شہر کے ایک باسی سے کہہ دیا۔ "بھائی! اب میں یہاں نہیں آؤں گا۔ یہاں گرد بہت ہے۔" جب ادھر سے جواب ملا کہ "جناب ہم تو اس گرد کو آنکھوں سے لگاتے ہیں" تو مولانا مسکرانے لگے اور اس شہر کا سالانہ پھیرا جاری رہا۔ دراصل مولانا کسی کا دل توڑنا تو جانتے ہی نہیں تھے۔ چنانچہ اکثر و بیشتر دوسروں کی خوشنودی پر اپنی مسرت' آرام اور فراغت کو قربان کر دیتے تھے۔ ایک دفعہ میں ان کے دفتر میں پہنچا تو میز پر جھکے بڑے انہماک سے کوئی مضمون لکھ رہے تھے۔ پاس ٹیلیفون کا ریسیور پڑا تھا وہ ہر دو منٹ کے بعد ریسیور اٹھاتے اور "خوب! بہت خوب! سبحان اللہ!" کہہ کر ریسیور میز پر رکھ دیتے اور پھر لکھنے میں مصروف ہو جاتے۔ میں کوئی دس منٹ تک یہ تماشا دیکھتا رہا اور پھر میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ مولانا یہ کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے "مجھے ریڈیو والوں کے لئے یہ مضمون آج ہی ختم کرنا ہے اور (ٹیلیفون کی طرف اشارہ کر کے) حکیم احمد شجاع مجھے صبح سے اپنے اشعار سنا رہا ہے۔ بتایئے میری حالت قابل رحم ہے یا نہیں؟"۔ لیکن اس قسم کے واقعات تو انہیں روز پیش آتے تھے۔ ایک دن میں نے انہیں ریگل کے سامنے فٹ پاتھ پر ایک صاحب سے مصروف گفتگو دیکھا تو رک گیا تاکہ وہ فارغ ہو جائیں تو انہیں اپنی موجودگی کی اطلاع دوں۔ آدھ گھنٹے کے انتظار کے بعد مجھ سے نہ رہا گیا اور میں مولانا کے قریب چلا آیا۔ دیکھا کہ حضرت......! انہیں گھیرے کھڑے ہیں اور بآواز بلند جھوم جھوم کر انہیں اپنے اشعار سنا رہے ہیں۔ بعد ازاں مولانا نے لطف لیتے ہوئے کہا۔ یہ صاحب اگر مجھے محض اپنے اشعار ہی سناتے تو کوئی بات نہ تھی ظلم یہ ہے کہ وہ ساتھ ساتھ مجھے اپنے اشعار کا مطلب سمجھا رہے تھے۔" لیکن یہ مولانا کی طبعی شرافت تھی کہ وہ ایسے موقعوں پر بے رخی کا مظاہرہ کر ہی نہیں سکتے تھے اور بڑی خاموشی سے ہر بات سہہ جاتے تھے۔ اس سلسلے میں مجھے ایک اور لطیفہ یاد آ گیا۔ تقسیم کے بعد جب لاہور اورینٹیل کالج میں ایم۔ اے اردو کی ابتداء ہوئی تو کالج کے ایک استاد نے (جو اب ایک مشہور نقاد ہیں) مولانا کو مشورہ دیا تھا کہ موقعہ نہایت شاندار ہے آپ بھی لگے ہاتھوں ایم۔ اے کر لیجئے! مولانا نے ان صاحب سے تو فقط اتنا ہی کہا کہ کیوں نہیں ایسے شاندار مواقع کیا روز روز نصیب ہو جاتے ہیں لیکن بعد ازاں وہ ہمیں یہ واقعہ سنا کر بہت محظوظ ہوتے تھے۔

یہ تو تھا مولانا کی شخصیت کا ایک رخ! دوسرا رخ ایک عجیب سی توانائی' ثابت قدمی اور ارادے کی پختگی سے عبارت تھا۔ وہ شخصی سطح پر تو ہر نئی صورت حال کے مطابق اپنے اندر لچک پیدا کر لیتے تھے لیکن جب اصول یا نقطۂ نظر کا معاملہ سامنے آتا تھا تو ان کا فیصلہ فولاد کی ایک دیوار کی طرح اٹل ہوتا تھا اور اس ضمن میں انہوں نے کبھی کسی عافیت کوشی یا موقعہ پرستی کے رجحان سے اپنی شخصیت کو داغدار نہیں ہونے دیا درآنحالیکہ ان کے معاصرین کے ایک بہت بڑے طبقے نے اس سلسلے میں کردار کی انفعالیت اور کمزوری کا قدم قدم پر مظاہرہ کیا تھا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی نے ان پر اتنے گہرے اثرات مرتسم کئے تھے کہ جب ایام جوانی میں انہیں پولیس کی ایک اعلیٰ ملازمت کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے ہامی بھر جانے اور شدید نفسیاتی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد اگلی صبح انٹرویو کے لئے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے بڑے بھائی نے جو خود پولیس میں ایک افسر اور بڑے ہی عالم فاضل شخص تھے ان کے فیصلے کو بے حد سراہا تھا کیونکہ مولانا کا موقف فقط یہ تھا کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ خود کو منسلک

باقی صفحہ ۷ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بین المملکتی حالات واقعات شخصیات

اسرائیلی وزیر اعظم کا حماس کے خلاف اعلان جنگ

اسرائیل امن کی طرف اس طرح بڑھ رہا ہے کہ اس کے ایک ہاتھ میں امن کی علامت زیتون کی شاخ ہے جبکہ اس کے دوسرے ہاتھ میں بندوق ہے- وزیر اعظم مسٹر رابن نے اپنی فوجوں کو حماس کے فوجی لیڈروں کو تلاش کرنے اور انہیں قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا ہے- حماس نے اسرائیل کے خلاف دہشت پسندانہ کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں-

ان کی اس جارحانہ پالیسی کے ساتھ ساتھ وہ اردن کے ساتھ امن سمجھوتہ بھی کر رہے ہیں اور فلسطینیوں کے ساتھ خود مختاری کے معاہدے پر مذاکرات بھی دوبارہ شروع کر رہے ہیں-

مسٹر رابن کی بڑی مخالف لیکوڈ پارٹی نے مسٹر رابن کے اردن کے ساتھ امن سمجھوتے کی تائید کی ہے- اسرائیلی پارلیمنٹ بھی اس سمجھوتے کی منظوری دے رہی ہے-

اسرائیلی افواج نے اسرائیلی کابینہ کو بتایا ہے کہ انہوں نے انتہاپسند مسلم گروپ حماس کے کئی سرگرم کارکنوں کو گرفتار کر لیا ہے- گرفتاریوں کا یہ سلسلہ گزشتہ منگل کو بس کو بم سے تباہ کرنے سانحہ کے بعد شروع ہوا ہے- حماس نے اس بم حادثے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے- اس حادثے میں ۲۲- اسرائیلی ہلاک ہوئے جبکہ ایک ۶۱ سالہ عورت زخموں کی تاب نہ لا کر ہلاک ہو گئی-

بم کے اس حادثے کے بعد حماس کے ۳۰ سرگرم کارکن فلسطینیوں کے زیر حکومت علاقے اور اسرائیل کے مقبوضہ مغربی کنارے میں چھپ کر زندگی گزار رہے ہیں- اسرائیلی کابینہ کے اراکین نے حماس کے خلاف مزید سخت کارروائیوں کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے مسٹر رابن کے اس فیصلے کی تصدیق نہیں کی جس میں انہوں نے حماس کے فوجی لیڈروں کی ہلاکت کا حکم جاری کیا ہے- اگرچہ اخبارات نے اس فیصلے کو بڑی نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کیا ہے-

وزیر معاشیات مسٹر شمعون شتریت نے بتایا کہ سیکیورٹی فورسز نے حماس کے درجنوں سرگرم کارکنوں کا پتہ چلا لیا ہے جو کہ ایک اسرائیلی فوجی کو اغوا کر کے ہلاک کرنے کی کارروائی میں ملوث ہیں- انہوں نے کہا کہ ہم ان کو پکڑ لیں گے اور ان میں سے کوئی بھی سزا سے بچ نہیں سکے گا-

پولیس کے ذرائع نے بتایا ہے کہ سارجنٹ [illegible]ون ویکس مین کو اس وقت بری طرح پیٹا گیا جب اسے پہلی بار اغوا کیا گیا تھا لیکن اس کو مارنے سے پہلے اس پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا-

ہاؤسنگ کے وزیر نے بتایا کہ اسرائیل لمبے عرصے سے حالت جنگ میں ہے اور اب اس نے حماس کے لوگوں سے نمٹنے کے لئے خصوصی طریق کار اپنایا ہے- اسرائیلی فوج کے پاس پہلے ہی سے حماس کے بعض لیڈروں کی ایک فہرست موجود ہے جن کو دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم ہے- جس میں حماس کے ۲۷- کارکن شامل ہیں- لیکن اب وزیر اعظم نے جو اجازت دی ہے اس کا ہدف حماس کے فوجی لیڈر رہیں-

غازہ کے ایک ڈاکٹر محمود ظہار نے جو حماس کے ایک لیڈر رہیں اسرائیلی وزیر اعظم کے فیصلے پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیا یہ معاملہ حل کرنے کا طریق ہے؟ اس سے صورت حال بہتر ہونے کی بجائے خرابی کی طرف جائے گی- انہوں نے کہا کہ اس فیصلے سے اس علاقے میں قتل و خون کا نیا بازار گرم ہو جائے گا- اور اس سے کسی کے بھی بچنے کی ضمانت نہیں ہے-

حماس کی طرف سے غازہ کے علاقے میں ایک پمفلٹ تقسیم کیا گیا ہے جس میں مزید بم دھماکوں کا وعدہ کیا گیا ہے- ادھر اسرائیلیوں نے ایک عرب کو ہلاک کر دیا جس نے ایک فوجی کو مغربی کنارے کے شہر ہیبرون میں خنجر گھونپ دیا تھا- اسرائیلی فوج نے بتایا کہ یہ شخص حماس کا کارکن ہے جس کو چھ ہفتے قبل جیل سے رہا کیا گیا تھا- اس نے ایک بیان پر دستخط کئے تھے کہ وہ آئندہ پر تشدد کارروائیوں میں حصہ نہیں لے گا- جبکہ اس شہر کے رہنے والے فلسطینی کہتے ہیں کہ ندال تمیمی کا تعلق پی ایل او کے الفتح گروپ سے تھا-

ہیبرون کے الفتح کے گروپ نے اس ہلاکت پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے- انہوں نے ایک پمفلٹ جاری کیا ہے جس میں دھمکی دی گئی ہے کہ اس طرح کے واقعات سے اسرائیلی فوجوں کے ساتھ محاذ آرائی میں اضافہ ہو جائے گا-

اسرائیل کے وزیر خارجہ کے ساتھ پی ایل او کے نمائندے نے قاہرہ میں ملاقات کی- جہاں فلسطینی خود مختاری کے علاقوں میں توسیع پر اسرائیل سے دوبارہ بات چیت شروع ہو رہی ہے- اسرائیلی وزیر خارجہ مسٹر پیریز نے پی ایل او سے مطالبہ کیا کہ وہ حماس کے خلاف اسرائیلیوں کی جنگ میں ان کے ساتھ شامل ہو جائے- تاہم پی ایل او کے نمائندہ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسرائیل نے فلسطینیوں پر اپنی سرحد بند کر کے انتہاپسندوں کو تقویت دی ہے- واضح رہے کہ اسرائیل نے فلسطینی کارکنوں کی جگہ ۱۹ ہزار غیر ملکی ورکروں کو اسرائیل لانے کا فیصلہ کیا ہے- پی ایل او کے ترجمان نے کہا کہ وہ اسرائیل کے اردن کے ساتھ امن سمجھوتے پر بات چیت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں خوف ہے کہ اسرائیل مغربی کنارے کو اردن کے حوالے کر دے گا اور پی ایل او کے پاس صرف غازہ رہ جائے گا-

☆O☆

شام اسرائیل امن مذاکرات کا نیا دور

امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے اپنے مشرق وسطیٰ کے دورے کے دوران شام کے صدر حافظ الاسد سے ملاقات کی ہے اس کے بعد اگرچہ انہوں نے اس ملاقات کی زیادہ تفاصیل تو بیان نہیں کیں لیکن یہ کہا ہے کہ اس ملاقات سے شام اور اسرائیل کے درمیان امن مذاکرات میں نئی جان پڑ گئی ہے- انہوں نے کہا کہ ان مذاکرات میں نئی توانائی ڈالنے کی ضرورت تھی- اب ہماری بات چیت سے ایسا ہونا ممکن لگتا ہے-

صدر کلنٹن نے اس افسوس کا اظہار کیا کہ صدر اسد نے ذاتی ملاقات میں تو دہشت گردی کی کارروائیوں کی مذمت کی اور ان پر افسوس کا اظہار کیا ہے لیکن اپنے پبلک بیان میں انہوں نے دہشت گردی کی مذمت نہیں کی- تاہم صدر کلنٹن نے کہا کہ صدر اسد نے امن کے بارے میں جو بیانات دیئے ہیں ان سے ہماری حوصلہ افزائی ہوئی ہے-

صدر کلنٹن نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے اپنے وزیر خارجہ مسٹر وارن کرسٹوفر کو ہدایت کی ہے کہ وہ اس علاقے میں امن کی پیش رفت کے لئے اگلے ماہ پھر مشرق وسطیٰ کا دورہ کریں-

اسرائیل کے عہدیداروں نے بھی شام کے رویہ کو حوصلہ افزا قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں یقین ہے کہ شام بھی اسرائیل کی طرح امن کے بارے میں مثبت پیش رفت چاہتا ہے-

شام اور اسرائیل کے درمیان بات چیت گزشتہ قریباً دو سال سے جھٹکوں کے ساتھ آگے چل رہی ہے- چند دن بات چیت ہوتی ہے پھر بغیر کسی مثبت اعلان کے رک جاتی ہے- امریکہ پھر کوشش کرتا ہے- وارن کرسٹوفر اسرائیل اور شام کے درمیان شٹل ڈپلومیسی چلاتے ہیں- پیغام ادھر سے ادھر جاتے ہیں- مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات- اس عرصے میں بار بار کے مذاکرات اور امریکہ کے بار بار کے دباؤ سے بہت معمولی سی پیش رفت کے علاوہ کوئی ٹھوس کامیابی نہیں ہوئی- اور نظریوں ہی آتا ہے کہ اگر یہ مسئلہ طے بھی ہوا تو یوں ہی قطرہ قطرہ کر کے دریا بن سکے گا اور اس میں خاصی دیر بھی لگ سکتی ہے-

اس تاثر کو اس بات سے بھی تقویت ملتی ہے کہ ان مذاکرات میں تازہ حوصلہ افزائی کے تاثرات محض یکطرفہ ہیں- امریکہ کے صدر اور اسرائیل کی طرف سے تو ایسی باتیں کی جا رہی ہیں مگر شام اور صدر اسد کی طرف ان باتوں کی تائید نہیں کی جا رہی ہے- اب مبصرین امریکی اور اسرائیلی سفارت کار کسی بیان کے کسی ایک جملے کو لے کر اس میں سے امید کے پہلو نکالتے ہیں- اور اگر کسی بات کی شدت سے مخالفت نہ کی جائے تو اسے اپنے لئے حوصلہ افزا قرار دیتے ہیں- اور پھر مغربی اخبارات اس کو لے اڑتے ہیں اور حوصلہ افزا' مثبت' پر امید اور نجانے کیا کیا القابات دیتے ہیں-

فی الحقیقت شام کا رویہ بڑا سخت ہے- اور دیگر عرب نمائندوں یا سر عرفات- شاہ حسین بلکہ سعودی اور خلیجی رہنماؤں سے بھی زیادہ سخت ہے- اور وہ مفاہمت کا کوئی انداز نہیں اپنا رہے- اردن نے بیت المقدس کو واپس حاصل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے- فلسطینیوں نے آزادی کا مطالبہ چھوڑ کر محض خود مختاری پر قناعت کر لی ہے- خلیجی ریاستوں کی کونسل جس میں سعودی عرب بھی شامل ہے- اسرائیل کے ساتھ تجارت شروع کر رہے ہیں- یہ سارے عرب ممالک سالہا سال کی محاذ آرائی کے بعد معتدل رویہ اپنا رہے ہیں- لیکن شام کے صدر اسد کی سختی میں کمی نہیں آ رہی- وہ صاف صاف کہتے ہیں کہ گولان کی پہاڑیاں فوراً خالی کر دو تب امن کا معاہدہ ہو گا- اسرائیل کی مشکل یہ ہے کہ یہ پہاڑیاں فوجی طور پر غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں اور جب تک شام کی طرف سے اسے پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ کبھی حملہ نہیں کرے گا تب تک ان پہاڑیوں کو شام کو واپس دے دینا اس کے دفاع کے لئے سخت خطرناک ہے- یہ وہ وجہ ہے جس سے اسرائیل کو اپنی رائے عامہ کی سخت مخالفت مول لینی پڑ رہی ہے- پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ سات آٹھ سال کے عرصے پر مشتمل ایک پروگرام کے ذریعے آہستہ آہستہ ان علاقوں کو خالی کر دے- اس طویل پروگرام کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طویل عرصہ تک امن کی ضمانت حاصل ہو جاتی ہے اس دوران دونوں ملکوں کے تعلقات میں اتار چڑھاؤ سے امن معاہدے کی مستقل حیثیت کی بھی جانچ ہو جاتی ہے- ایسے معاہدوں میں ابتدائی طور پر ایسی جگہوں سے فوجیں ہٹائی

باقی صفحہ ۷ پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بقیہ صفحہ ۵

کرنے سے معذور ہیں۔ بعد ازاں جب دوسری جنگ عظیم لڑی گئی اور ہمارے بہت سے ادباء انگریزی فوج کے بڑے بڑے عہدوں اور پھولوں کی خاطر بہت دور نکل گئے تو بھی مولانا نے غربت کی آزاد زندگی کو انگریز کی ملازمت کے غلامانہ فعل پر ترجیح دی اور اپنے خون جگر سے زبان اور ادب کی خدمت کرتے رہے۔ تقسیم ملک کے بعد جب ہمارے بہت سے ادباء نے اپنے ضمیروں کا سودا کیا تو بھی مولانا اپنے مسلک پر ڈٹے رہے۔ ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا تھا۔ اور یہی پاکیزگی ان کی جرأت اظہار کا اصل باعث ثابت ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے آخری دم تک آزادی رائے کے لئے اپنی جنگ جاری رکھی اور اس ضمن میں عافیت کوشی کے کبھی مرتکب نہیں ہوئے۔

اپنے مسلک پر کار بند رہنے اور شہری آزادی کے تصور کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں وہ کسی قسم کی مفاہمت یا سمجھوتے کے ہرگز قائل نہیں تھے۔ جن حضرات نے زبان و ادب نیز سیاسی اور تعلیمی مسائل کے بارے میں ان کے مضامین اور خطبات پڑھے یا سنے ہیں وہ ضرور میرے اس بیان کی تصدیق کریں گے۔ لیکن عام زندگی میں بھی مولانا نے کبھی ایک باشعور آزاد شہری کے منصب کو ترک نہیں کیا۔ وہ ایک عام شہری کی آزادی فکر و عمل کے داعی تھے اور ہر اس موقع پر سینہ سپر ہو جاتے تھے جب اس آزادی کو کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا۔ بہت سے احباب کو یاد ہوگا کہ جب موٹروں کے نمبر پلیٹ اردو میں لکھنے کا سوال پیدا ہوا تھا تو مولانا نے اس اصولی بات پر پولیس کے ایک بڑے افسر سے ٹکر لے لی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا محض یہ اقدام نیم ادبی قسم کی ان تمام تحریکوں پر بھاری تھا جو عاقبت کوشی کو مسلک بنا کر چھوٹی چھوٹی باتوں کو اچھالتی ہیں لیکن ایک نامعلوم خطرے کو محسوس کر کے اصولی باتوں پر فوراً "سمجھوتہ" کر لیتی ہیں۔ عام زندگی میں بھی مولانا اپنے مسلک پر ہمیشہ کار بند رہے۔ ایک بار ہم چیئرنگ کراس کی سمت سے "ادبی دنیا" کی طرف فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے آ رہے تھے کہ ایک جگہ مولانا اچانک رک گئے۔ یہاں کسی شاندار کار کے اگلے پہیوں نے آدھے سے زیادہ فٹ پاتھ پر قبضہ جما رکھا تھا۔ مولانا نے کار کے ڈرائیور سے کہا کہ فوراً اپنی کار فٹ پاتھ سے نیچے اتار لے۔ کار کسی "بڑے آدمی" کی تھی اس لئے ڈرائیور نے مولانا کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اتنے میں خود "بڑے صاحب" کسی دکان سے نکلے اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کار کی طرف آئے۔ مولانا نے آگے بڑھ کر ان صاحب سے کہا۔ "اے عظیم الشان کار کے مالک! یہ ساری کشادہ سڑکیں تیری ملکیت ہیں تو بے شک ان پر اپنی کار برق رفتاری سے چلا لیکن یہ چار فٹ چوڑا فٹ پاتھ میرا اور مجھ جیسے ان لاکھوں افراد کا ہے جو اس ملک میں بستے ہیں۔ کیا تو یہ فٹ پاتھ بھی ہم سے ہتھیا لینا چاہتا ہے؟" مولانا کی بات سن کر وہ صاحب اس قدر خفیف ہوئے کہ انہوں نے فوراً اپنی کار فٹ پاتھ سے نیچے اتار لی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہوا ہو گئے۔

اردو زبان اور ادب کے مسئلہ پر بھی ان کی ثابت قدمی کا یہی عالم تھا۔ انہیں اردو سے عشق تھا اور وہ اسے قومی یک جہتی کی سب سے بڑی علامت قرار دیتے تھے۔ بعض دوسرے لوگوں کے برعکس جو ہوا کا رخ دیکھ کر اپنے مسلک میں ضروری لچک پیدا کر لیتے ہیں۔ مولانا نے اپنے موقف کے سلسلہ میں کبھی کسی کمزوری کا اظہار نہیں کیا۔ ادبی نظریات کے ضمن میں بھی ان کی رائے غیر متزلزل تھی۔ وہ ادب کو کسی مقصد یا نقطہ نظر کے تابع قرار دینے کے سخت مخالف تھے اور محض اس بناء پر انہوں نے ترقی پسند تحریک کی مخالفت کی تھی۔ اس سے ترقی پسند حلقے میں یہ غلط فہمی عام ہو گئی تھی کہ مولانا شاید بورژوا طریق کار کے حامی ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ مولانا خود مساوات اور انسان دوستی کے مبلغ تھے اور انہوں نے ساری عمر جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لئے ایک شدید تگ و دو کی تھی لیکن وہ بار بار یہی کہتے تھے کہ ادب ذات کا اظہار ہے، کسی نظریے کی تبلیغ کا آلہ نہیں۔ اس سرمایہ داری کی مخالفت میں استعمال کیجئے یا اس کی حمایت میں، خود ادب کو اس سے سخت صدمہ پہنچے گا۔ وہ ادب کی تخلیق کے ضمن میں ایسا ہونا چاہئے، کے قائل نہیں تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ یوں ادبی تخلیق کی خودروانی مجروح ہو جاتی ہے۔ گلڈ کے سلسلے میں بھی مولانا کا موقف صاف اور توانا تھا اور اس سوال پر بھی وہ سمجھوتہ کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں تھے۔ کردار کی یہ توانائی اور ارادے کا یہ ثبات مولانا کی شخصیت کا ایک اہم جزو تھا۔

کم لوگوں کو اس بات کا علم ہے کہ مولانا کو مہاتما بدھ سے ایک خاص عقیدت تھی۔ وہ اسے ہندوستان کا "مرد عظیم" سمجھتے تھے۔ غالباً اس عقیدت کا باعث یہ تھا کہ خود مولانا کی ذات کے آئینے میں بدھ مت کی روح کا عکس موجود تھا۔ مثلاً مولانا نے بدھ کے ایک بلند اخلاقی معیار کو ادب کے علاوہ زندگی کے معیار میں بھی ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ پھر مہاتما بدھ کی طرح مولانا نے بھی ایک اونچے مقصد کے حصول اور ایک عظیم خواب کی تکمیل کے لئے اپنا تن من اور دھن قربان کیا اور یوں "عرفان" کے ان مدارج تک جا پہنچے جن تک عام لوگ شاذ ہی کبھی پہنچتے ہیں۔ مولانا تنگ مذہبی نظریات سے کس قدر بلند و بالا تھے اور خدا اور کائنات کے بارے میں ان کے نظریات میں کشادہ دلی کا عنصر کس قدر توانا تھا، یہ ایک الگ داستان ہے اور ایک الگ مضمون کا طالب!

بقیہ صفحہ ۴

اعلان ہوا تھا جبکہ میرا نکاح اس سے پہلے ۱۹۴۲ء میں ہو چکا تھا۔

حضرت مولوی صاحب کے ہمارے خاندان سے بہت پیار کے تعلقات تھے۔ ربوہ میں وہ اکثر ہمارے پاس آتے اور ہمیں ان کی دعائیں حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

بقیہ صفحہ ۶

جاتی ہیں جو غیر اہم ہوتے ہیں اور رفتہ رفتہ اہم جگہوں کو خالی کیا جاتا ہے۔ اور عموماً سب سے زیادہ اہم جگہ کو آخیر میں خالی کیا جاتا ہے۔

شام کو یہ فکر لاحق ہے کہ اگر ایک دفعہ دوستی کا اعلان ہو گیا۔ جنگ کی حالت ختم کر دی گئی۔ صلح ہو گئی۔ دونوں ملکوں کے درمیان سفارتی اور پھر تجارتی تعلقات بحال ہو گئے۔ افراد کی ایک دوسرے ملک میں آمد و رفت شروع ہو گئی۔ وفود کا آنا جانا لگ گیا تو صورت حال دوستی کی طرف پلٹ جائے گی۔ اور اگر بعد میں آنے والی کسی حکومت نے اس معاہدے پر مکمل عمل درآمد میں لیت و لعل کی، تو اسرائیلی فوجیں بھی واپس نہ جائیں گی اور اسرائیل سے صلح بھی ہو جائے۔ دہشت گردی کی کارروائیاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی۔ اس طرح جولان واپس لینے کا کام کہیں ادھورا ہی نہ رہ جائے۔

فلسطین اور اردن نے آدھی بات قبول کر کے امن حاصل کیا ہے۔ شام کا اصرار ہے کہ امن، پوری بات منوا کر حاصل کریں گے۔ آدھی باتوں کو منوا کر وہ امن نہیں چاہتے۔ فی الحقیقت شام کا رویہ سخت ہے۔ اور اس رویے کے ساتھ کامیابی کا یقین مشکل ہے۔

بقیہ صفحہ ۱

گیا دولتوں کے دروازے ان پر کھول دیئے گئے اور واقعہ یہ تھا کہ ان کے آباء اجداد میں سے کوئی قانع تھا اور پوری طرح قناعت کے مضمون کو سمجھتے ہوئے خدا کا شکر گزار بندہ رہتے ہوئے قانع رہا اور نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے شکر کے بدلے دینے شروع کئے جو ختم ہی نہیں ہونے۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی نصیحتوں میں ہر دفعہ بوجھل باتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ قانع بننا بڑا مشکل کام ہے۔ کیسے قانع بنیں۔ لیکن اگر آنکھیں کھول کر ان کو پڑھیں۔ گہرائی میں اتر کر ان کا مطالعہ کریں تو ان بوجھوں کو ہلکا کرنے والے مضامین اسی کے اندر موجود ہیں پس لفظ شکر نے قناعت کے سارے بوجھ دور کر دیئے کیونکہ شکر کے ساتھ ازید نکم کا وعدہ موجود ہے۔

(از خطبہ ۱۲/ اگست ۱۹۹۴ء)

تلاش گمشدہ

○ محمد افضل ابن مکرم محمد انور محلہ بشیر آباد پھنیاں ربوہ عمر تیرہ سال مورخہ ۹۴-۱۰-۸ سے لاپتہ ہے تاحال کوئی پتہ نہیں چلا۔ سلیٹی رنگ کی شلوار قمیص پہنے ہوئے ہے۔ ششم جماعت کا طالب علم ہے۔ گورنمنٹ تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں زیر تعلیم ہے۔ اگر خود پڑھے تو گھر آجائے اس کے والدین بہت پریشان ہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں

(خصوصاً ہومیوپیتھک) ڈاکٹرز متوجہ ہوں
ہمارے تیار کردہ ہومیوپیتھک مرکبات کے فری سیمپلز اور لٹریچر کیلئے بذریعہ خط یا ٹیلیفون رابطہ کریں۔
کیور ٹو میڈیسن (ڈاکٹر راجہ ہومیو) کمپنی گولبازار ربوہ
فون: 04524-771 04524-211283 فیکس 04524-212299

خوشخبری
قند شفاء جوشاندے کا انسٹنٹ پوڈر
اب منی پیک میں قیمت ۲/ روپے
• ربوہ کے قریباً ہر دکاندار سے طلب کریں
اکسیر معدہ ہاضمے کا بہترین چورن
اب منی پیک میں قیمت ۱/
• بیرون جات کے طبی سٹاکسٹ توجہ فرماویں۔
خورشید یونانی دواخانہ (رجسٹرڈ) ربوہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خبریں

ربوہ : 31 اکتوبر-1994ء
موسم معتدل ہے۔
درجہ حرارت کم از کم 15 درجے سنٹی گریڈ
زیادہ سے زیادہ 28 درجے سنٹی گریڈ

○ قومی اسمبلی کے سپیکر مسٹر یوسف رضا گیلانی نے کہا ہے کہ گرفتار ارکان کو ایوان میں بلانے کا مجھے اختیار حاصل ہے۔ صوبائی حکومتوں کو ناقابل ضمانت جرائم میں ملوث ارکان کو مہیا کرنا پڑتا ہے۔ سنگین مقدمات میں ملوث ارکان کے متعلق انہوں نے اپنی رولنگ محفوظ رکھی۔ اپوزیشن نے حکومت کے رویے کے خلاف واک آوٹ کیا۔ اپوزیشن کے ڈپٹی پارلیمانی لیڈر مسٹر گوہر ایوب نے کہا کہ حکومت نے سپیکر کا استحقاق مجروح کیا ہے۔ جواباً وزیر قانون نے کہا شکر ہے کہ اپوزیشن کو ایک سال بعد ہی سہی سپیکر کے وقار کا تو احساس ہو گیا ہے۔ صدر اور وزیر اعظم کے وقار کا بھی خیال آ جائے گا۔ قومی اسمبلی کی ساری کارروائی مسلسل نکتہ اعتراض پر بحث کی نذر ہو گئی۔ اجلاس ختم ہونے سے قبل سپیکر نے ارکان قومی اسمبلی کو ایوان میں بلانے کے بارے میں اپنی رولنگ محفوظ رکھی۔

○ وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا ہے کہ اقتدار کی کشمکش ملک کو کمزور کر دے گی۔ انہوں نے کراچی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قومی اسمبلی میں خواتین کی نشستوں کی بحالی کے لئے آئینی ترامیم پر ہم تیار ہیں۔ اپوزیشن کو تعاون کرنا چاہئے۔

○ اپوزیشن نے اعلان کیا ہے کہ وہ گرفتار ارکان کی شرکت تک اسمبلی کی کارروائی میں حصہ نہیں لیں گے۔ اپوزیشن نے کہا ہے کہ ان کی جمہوریت کے ساتھ وابستگی مخلصانہ ہے۔

○ قائد حزب اختلاف مسٹر نواز شریف نے کہا ہے حکومت حالات کو ڈیڈ لاک کی طرف لے جا رہی ہے۔ حکومت نے سپیکر کے اختیار کو تسلیم نہیں کیا۔ اسیر ارکان کو نہ لانا بدنیتی ہے۔ یہ رویہ جمہوریت کے لئے نقصان دہ ہے اپوزیشن سپیکر کے وقار میں اضافہ چاہتی ہے۔ سپیکر کو رولنگ دینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

○ مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی نے کہا ہے کہ حکومت اسیر ارکان اسمبلی کی اجلاس میں شرکت کو یقینی بنائے۔ اس عمل سے قومی اسمبلی کا وقار اور سپیکر کا احترام بحال ہو گا۔

○ سپاہ صحابہ کے مولانا اعظم طارق نے کہا ہے کہ گرفتار ارکان کو اجلاس میں نہ لانا آمریت کی بدترین مثال ہے۔ حکومت انتقامی کارروائیوں سے باز آ جائے۔

○ گورنر پنجاب نے کہا ہے کہ سپیکر کی رولنگ کے باوجود ارکان کی رہائی کے لئے عدالت سے رجوع کرنا ہو گا۔ عدالت رہا کر دے تو ہم مزاحمت نہیں ہوں گے۔ ملوث ارکان عدالتوں کے نظر بند ہیں انہیں عدالت ہی رہا کر سکتی ہے۔

○ قائد حزب اختلاف مسٹر نواز شریف نے سابق نگران وزیر اعظم مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی کو پیشکش کی ہے کہ وہ ان سے تعاون کریں تو انہیں دو سال کے لئے نگران وزیر اعظم بنا دیا جائے گا یہ پیشکش ٹیلی فون پر ایک بات چیت کے دوران کی گئی۔ اس سے پہلے بھی نواز شریف ایسی ہی پیشکش کر چکے ہیں۔

○ کراچی میں سٹی کورٹ پر حملہ کے دوران فائرنگ سے کانسٹیبل سمیت مزید ۶۔ افراد ہلاک ہو گئے۔ پولیس کی بھاری نفری کی موجودگی میں کار سوار فائرنگ کر کے دو ملزموں کو چھڑا کر لے گئے۔ کورنگی میں دوسرے روز بھی موت کا رقص جاری رہا۔ شرپسندوں نے چھ گاڑیاں نذر آتش کر دیں۔ ایک امام بارگاہ ایک منی بس اور دیگر چلتی گاڑیوں پر بھی فائرنگ کی گئی۔ پورے علاقے میں قانون اور پولیس کے نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ لوگ گھروں میں بند ہو گئے۔ ۶ گھنٹے کے جلاؤ گھیراؤ کے بعد قانون نافذ کرنے والوں کی بھاری نفری علاقے میں بکتر بند گاڑیوں میں پہنچی اور پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ کورنگی اور لانڈھی میں تھوک فروشوں نے اشیائے خورد و نوش کی سپلائی بند کر دی۔

○ پنجاب اسمبلی میں حکمران پارٹی کے ایک رکن نے اپنے ہی وزیر کے خلاف تحریک استحقاق پیش کر دی انہوں نے وزیر بلدیات پر الزام لگایا کہ وہ پلاٹوں کے لین دین اور بدعنوانیوں میں ملوث ہیں۔ صوبائی وزراء کے دباؤ ڈالنے پر انہوں نے تحریک واپس لے لی۔ لیکن اپوزیشن کا موقف ہے کہ تحریک ایوان کی ملکیت ہے واپس نہیں ہو سکتی۔

○ مسلم لیگ نے "لوٹا کریسی" کے موضوع پر وزیر اعلیٰ وٹو کے مناظرے کا چیلنج قبول کر لیا ہے اور کہا ہے کہ وہ نشتر پارک 'قذافی سٹیڈیم' لیاقت باغ' یا جناح باغ میں سے کسی جگہ کا انتخاب کر لیں۔ اور مناظرے کو براہ راست ٹی وی پر دکھانے کا اہتمام کیا جائے۔

○ حزب اختلاف کے لیڈر مسٹر گوہر ایوب نے کہا ہے کہ حکومت ارکان اسمبلی کی رہائی کا کریڈٹ سپیکر کو نہیں دینا چاہتی۔ اپوزیشن کے واک آوٹ کے بعد وفاقی وزراء منانے کے لئے کیفے ٹیریا تک گئے لیکن مسٹر نواز شریف نے بات نہیں کی۔ مذاکراتی ٹیم کے گوہر ایوب سے مذاکرات ناکام رہے اس طرح حکومت اور اپوزیشن کے درمیان مذاکرات پہلے مرحلے میں ہی ناکام ہو گئے۔ اپوزیشن نے جواب دیا کہ اب معاملہ حکومت اور سپیکر کے درمیان ہے آپ سپیکر سے بات کریں۔

○ بلدیاتی نظام میں تبدیلیوں اور بلدیاتی انتخابات کے بارے میں وفاقی کابینہ اہم فیصلے کرے گی۔ یونین کونسلوں کا نظام ختم کرنے پر اتفاق کیا جا رہا ہے۔

○ نامور کومپیئر مسٹر دلدار پرویز بھٹی امریکہ میں انتقال کر گئے ان کی عمر ۴۸ سال تھی وہ عمران خان کے ساتھ کینسر ہسپتال کے فنڈز اکٹھے کرنے کے لئے امریکہ گئے ہوئے تھے۔

○ قومی اسمبلی نے ایک بل پاس کیا ہے جس کے تحت تحصیل' سب ڈویژن اور ضلع کی سطح پر فیملی کورٹ میں خاتون ججوں کا تقرر کیا جائے گا۔

○ پنجاب اسمبلی کی اپوزیشن نے سپیکر مسٹر محمد حنیف رامے پر الزام لگایا ہے کہ وہ جانبدار ہو چکے ہیں۔ انہوں نے وزیر بلدیات سے استعفیٰ کا بھی مطالبہ کیا۔ اپوزیشن لیڈر پرویز الٰہی نے پریس کانفرنس میں کہا کہ حنیف رامے کھلم کھلا پارٹی بن گئے ہیں۔ سرکاری رکن کی تحریک استحقاق منظور ہونے والی تھی کہ انہوں نے صدارت منظور موہل سے واپس لے کر اپنے ہاتھ میں لے لی۔

○ مبینہ پولیس مقابلے میں ہلاک ہونے والے پطرس مسیح کی ہلاکت پر مسلم مسیحی اتحاد نے احتجاجی جلوس نکالا اور سیکرٹریٹ کے باہر دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔

○ بھارت کے سابق وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ انتقال کر گئے ان کی عمر ۸۷ برس تھی۔

○ تحریک فکر مودودی کی ایک پریس ریلیز میں بتایا گیا ہے کہ جماعت اسلامی نے غیر ممالک میں مختلف اداروں کو خطوط کے ذریعے مطلع کیا ہے کہ نعیم صدیقی جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ پریس ریلیز میں کہا گیا ہے کہ ۱۹۴۱ء میں قائم ہونے والی جماعت اسلامی ختم ہو چکی ہے اس سے علیحدگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

○ اسلامی کانفرنس کی تنظیم پاکستان اور بھارت کے درمیان تنازعات کے حل کے لئے ایک کوشش کر رہی ہے۔ اقوام متحدہ کو بھی براہ راست مذاکرات میں شامل کیا جائے گا۔

○ پی آئی اے کا فوکر طیارہ لاہور میں حادثے سے بال بال بچ گیا۔ اس میں مولانا فضل الرحمان سوار تھے۔

○ قائد حزب اختلاف مسٹر نواز شریف نے کہا ہے کہ ہمارا پیکیج تسلیم نہ کیا گیا تو حالات و معاملات بہت بگڑ جائیں گے۔ ایم کیو ایم کو قومی دھارے میں لے کر چلنا ہی ملک کے مفاد میں ہے۔ غلام اسحاق فرسودہ ذہنیت کی وجہ سے میری پالیسیاں پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اپنے ماضی پر کوئی پشیمانی نہیں۔ جو کیا خلوص نیت سے کیا۔

○ اپوزیشن نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کی حکمت عملی تیار کرنے کے لئے کمیٹی قائم کر دی۔ صدر کے خطاب کے وقت ہنگامہ آرائی کا منصوبہ بنا لیا گیا۔ پارلیمنٹ کے سامنے بڑے عوامی احتجاج کا اہتمام کیا جائے گا اور صدر کا راستہ روکنے کی بھی تجاویز زیر بحث ہیں۔

(ہومیوپیتھک)
ٹانک ڈراپس
(خصوصاً ادھیڑ عمر اور بوڑھے افراد کیلئے)
زود اثر ہومیوپیتھک فارمولا جو اعصاب اور دماغ اور جسم کو تقویت دیتا ہے۔ تھکن اور جسمانی کمزوری کو دور کرتا ہے اور طبیعت کو ہشاش بشاش اور توانا رکھتا ہے۔ قیمت ۔/40 روپے
کیور ہومیو میڈیسن کمپنی (ڈاکٹر راجہ ہومیو) گولبازار ربوہ
فون: 04524-771 ، 04524-212299 فیکس: 04524-211283

حبوب مفید اٹھرا ۳۰ گرام ۔/۲۰ ، ۶۰ گرام ۔/۶۰
اکسیر اولاد نرینہ (کورس) ۔/۱۵ روپے
زد جام عشق (خاص) ۔/۶۰ روپے
روشن کاجل ۔/۵ روپے
تریاقِ معدہ ۔/۱۲ روپے ، ۔/۲۴ روپے
دوا تدبیر ہے اور دعا اللہ تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے
ناصر دواخانہ ربوہ (رجسٹرڈ)
فون ۲۱۱۴۳۴ ، ۲۱۲۴۳۴